فلسفۂ غیبت

اور ظہور و انتظارِ امامِ زمانہؑ

علامہ سید جواد نقوی

امامیہ آرگنائزیشن پاکستان راولپنڈی ریجن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله الذی جعلنا من المتمسکین بالقرآن العظیم
و نبیّه و صفیّه امامنا و امام الانبیاء والمرسلین محمد
و علی عترته الطاهرین۔ قال الله تعالی فی القرآن

بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

(سورہ ہود آیت ۸۶)

حضرت حجتؑ کے ظہور سے متعلق ہمارے ذہنوں میں بہت سے تصورات و خیالات ایک افسانوی نوعیت پر مبنی ہیں۔ غیبت حضرت حجتؑ ایک ایسا مسئلہ ہے جو بظاہر قابل فہم نظر نہیں آتا یہی وجہ ہے کہ جب یہ موضوعات ہم دوسروں کے سامنے رکھتے ہیں تو دوسروں کو سمجھانے میں مشکل پیش آتی ہے جب کہ ہمیں چاہیئے کہ ہم اسلوب قرآنی اختیار کریں اور جس طرح حقیقت ہے اسی طرح پیش کریں۔ اگر ہم تاریخ قرآن پر غور کریں تو دیکھیں گے کہ بعض ایسے حقائق جو لوگوں کیلئے اس وقت بھی ایک افسانوی حیثیت رکھتے تھے لیکن قرآن نے یہ موضوعات ایسے اسلوب اور ایسے انداز سے پیش کیے کہ بالآخر لوگوں کو تسلیم کرنے پڑے۔

چونکہ اسلام دین فطرت ہے اس لیے جب اس کے مطالب کو فطرت کے مقابل رکھیں گے تو فطرت اور اسلام میں کوئی تضاد نظر نہیں آئے گا۔ اگر ہم کسی موضوع کو غیر فطری انداز میں پیش کریں گے، نہ تو یہ عوام کی سمجھ میں آئیگا اور نہ ہی فطرت کیلئے قابل قبول ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ غیبت و ظہور حضرت حجتؑ سے متعلق بہت سے شکوک و شبہات نہ صرف مفکرین عالم بلکہ خود ہمارے ذہنوں میں موجود ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے ان موضوعات کو سمجھنے کی کبھی کوشش ہی نہیں کی۔

غیبت اور ظہور کا آپس میں گہرا ربط ہے۔ غیبت کیا چیز ہے؟ عصرِ غیبت میں انتظار کیا ہے؟ جب یہ دو نکات ہماری سمجھ میں آجائیں تو پھر واضح ہو جائیگا کہ ظہور کیا چیز ہے؟ اور ظہور کے بعد کیا ہوگا؟ حضرت حجتؑ سے متعلق ایک سوال جو ہمارے ذہنوں میں اکثر اٹھتا ہے کہ حضرت حجتؑ تو پہلے سے موجود ہیں پھر ظہور کے کیا معنی؟۔ اس کو سمجھنے کیلئے لازمی ہے کہ ہم یہ جان لیں کہ کون غائب ہے، کون ظہور کرے گا اور ہم کس کا انتظار کر رہے ہیں؟

اگر اس ذات سے معرفت ہو جائے تو ان ساری باتوں کی حیثیت خود ہی مشخص ہو کر سامنے آجائیگی۔ مثلاً اگر ہم کسی معلّم کا انتظار کر رہے ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم خود تو نجی کاموں میں مشغول رہیں اور زبان سے معلّم کا ذکر کرتے رہیں، بلکہ معلّم کے انتظار کا مطلب یہ ہے کہ کلاس روم کا ماحول بنایا جائے اور طلباء اپنی کاپیاں، قلم اور کتابیں تیار رکھیں تاکہ جب کلاس میں معلّم کا ظہور ہو تو بغیر کسی تاخیر کے وہ درس و تدریس کے عمل کو شروع کر سکے۔ اس سے پہلے لازم ہے کہ طلباء معلّم کی معرفت رکھتے ہوں کیونکہ اس کی معرفت کے بغیر ان کیلئے آداب کلاس بجالانا ناممکن ہوگا۔ حضرت حجتؑ کیلئے خداوند تعالیٰ نے جو منصب منتخب کیا ہے وہ امامت ہے۔ چونکہ غیبت بھی امامؑ کی ہے اور ظہور بھی امامؑ کا ہی ہوگا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ غیبت اور ظہور جیسے مسائل کا امامت سے گہرا ربط ہے۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ پہلے ہم امام کو پہچانیں۔

اصول کافی میں علامہ یعقوب کلینیؒ نے ایک پورا باب معرفتِ امام کے عنوان سے مرتّب کیا ہے۔ جس میں ایک روایت کے مطابق حضرت امام جعفر صادقؑ سے کسی شخص نے حضرت حجتؑ کے بارے میں سوال کیا تو امامؑ نے فرمایا کہ

> ''فضیلتِ انتظار کو تم بھی درک کر سکتے ہو لیکن اس کی کچھ شرائط ہیں، اُن میں سے ایک یہ ہے کہ تم اپنے امام کو پہچان لو اگر تم نے اپنے امام کو پہچان لیا تو وہ ظہور جو کئی سو سال بعد سے شروع ہوگا تم اس میں ابھی سے شریک ہو سکتے ہو''۔

جو نسخہ امامؑ نے بیان کیا وہ آج بھی کارآمد ہے اور اس کے پیچھے ایک بہت تلخ حقیقت کارفرما ہے وہ یہ کہ جب ہم امام کہتے ہیں تو وہ منصب امامت کی بنا پر کہتے ہیں۔ امامت نام ہے ایک نظام کا جس کے کچھ ارکان ہیں اگر اس کو پوری حقیقت کے ساتھ بیان کریں تو اس نظام کو نظامِ امامت کہیں گے اور جب ایک نظام کی بات ہوگی تو اس کے تمام ارکان کی بات ہوگی ورنہ ہم نہ تو اس نظام کے بارے میں کچھ سمجھ پائیں گے اور نہ ہی دوسروں کو سمجھا پائیں گے۔ اگر ہم یہ فلسفہ نامکمل طور پر پیش کریں گے تو نامکمل ہی سمجھ میں آئیگا بلکہ مزید مشکلات اور پیچیدگیوں کا سبب بنے گا۔ کیونکہ امامت اصول دین ہے اور اصول دین کی بنیاد ہیں۔ جس فرد پر دین کے بنیادی عقائد ہی واضح نہ ہوں وہ بہت ساری مشکلات کا شکار ہوسکتا ہے۔ جو حقیقتِ توحید کو نہ سمجھ سکے وہ بت پرستی اور شرک کی وادیوں میں جا نکلے، جو حقیقت نبوت کو نہ سمجھے وہ نبوت کے جھوٹے دعویداروں کے پیروکار شمار ہوئے اور جن پر حقیقتِ آئمہ نہ کھل سکی وہ امامت کے منکر ہو گئے اور اگر امامت کے قائل ہوئے بھی تو ان لوگوں کے نزدیک امامت ایک افسانوی حیثیت سے زیادہ کچھ نہیں۔ امامیہ کے نزدیک امامت ایک بہت بڑی حقیقت، عظیم فلسفے، اور بہترین نظام کا نام ہے۔ معصومینؑ کی روایات کے مطابق خدا نے انسان کو جو نعمتیں عطا کی ہیں اُن نعمتوں کی تکمیل نظامِ امامت وولایت ہی سے ہوتی ہے پس ضروری ہے کہ ہم پہلے اس نظام کو پوری طرح سمجھیں پھر ہم اس کے ذیلی موضوعات کو سمجھنے کے قابل ہوسکیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے معصومینؑ کو منصب امامت عطا کیا تا کہ یہ نظام قائم ہو سکے۔ ایک حصہ جو امام سے مربوط ہے وہ ہے ہدایت اور دوسرا حصہ اس نظام کا مربوط ہے امت سے وہ ہے اطاعت و پیروی۔ جب ہدایت اور اطاعت دونوں عنصر ملیں گے تو نظامِ امامت وامت برپا ہوگا۔

امامیہ کے نزدیک امیر المومنین علیؑ نے نبی اکرمؐ کے بعد منصبِ امامت سنبھالا جب کہ دوسرے (مسالک) اس بارے میں تاریخی یا اعتقادی لحاظ سے اختلاف رکھتے ہیں۔ اطاعتِ امام ہو یا نہ ہو امام پھر بھی امام ہوتا ہے مگر نظامِ امامت برپا نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ کوئی خدا کو مانے یا نہ مانے خدا تو خدا ہی ہے لیکن نظامِ توحید کے نفاذ کیلئے خدا کو ماننا پڑے گا۔ اسی طرح امام ہر حالت میں امام

ہے لیکن نظامِ امامت اس وقت تک رائج نہیں ہوسکتا جب تک کہ نظامِ امامت کو بڑھ کر قبول نہ کرلیا جائے۔

واضح رہے کہ امت اور قوم میں فرق ہے۔ امت بن کر زندہ رہنا ایک دیگر مطلب ہے جبکہ افراد، گروہ، پارٹی یا قبیلہ بن کر زندہ رہنا اور زندگی ہے جبکہ ہمارے اندر امت کی روح مری ہوئی ہے ہم محض ایک قوم بن کر ہی جی رہے ہیں ہم نے مذہب کو بھی قوم بنالیا ہے۔ شیعہ ایک مذہب کا نام ہے، ایک مسلک کا نام ہے۔ قومیت نے نہ صرف ہمیں تباہ کردیا بلکہ اس کی عصبیتوں نے ہمارے لیے مسائل کھڑے کیے اور ہمیں حق سے دور کردیا۔ صدرِ اسلام سے لے کر آج تک قومیت پرستی ہی ہماری راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ آج قومیت، لسانیت، انفرادیت اور علاقائیت جیسے تمام رنگ ہماری زندگی میں موجود ہیں مگر امت کی کوئی جھلک ہمارے اندر موجود نہیں۔ جیسا کہ حضرت علیؑ نے جمعہ کے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ:

ایھا الناس المجتمعة الابدانھم.....

کہ تم وہ لوگ ہو جن کے بدن تو اکٹھے ہیں مگر دل ایک دوسرے سے جدا ہیں۔

یعنی تم لوگ اجسام کا ایک مجموعہ تو ہو مگر امت نہیں ہو۔ امامت کے کچھ اپنے اصول وضوابط ہوتے ہیں جب تک ہم امت کے پلیٹ فارم پر نہیں آجاتے وہ نظام (نظام امامت وامت) جو خدا نے ہمارے لیے مقرر کیا ہے رائج نہیں ہوسکتا۔ اس نظام کا ایک حصہ کٹا ہوا ہے یعنی امام تو موجود ہیں مگر امت نہیں ہے۔

رسول اللہؐ کے عہد میں یہ دونوں حصے مکمل تھے۔ نبی کریمؐ امام کی حیثیت سے موجود تھے اور باقی امت بن کر۔ وہ لوگ صرف مجتمعة الابدان نہیں تھے۔ بلکہ

مجتمعة القلوب، مجتمعة الصراط، مجتمعة المقاصد، مجتمعة

الطریق، مجتمعة السلوك، مجتمعة الفکر اور مجتمعة النظر بھی تھے۔اُن لوگوں کا ہر چیز پر اجتماع تھا۔جو بات رسول اللہؐ کہہ دیتے تھے وہ لوگ بڑھ کر قبول بھی کرتے تھے لیکن یہ نظام نبی کریمؐ کے بعد بحران کا شکار ہوا۔رسول اللہؐ نے اپنی رحلت کے وقت امت بھی دی اور امت کو امام بھی دیا مگر ایک امام کے بعد جب دوسرے امام (نبی کریمؐ کے بعد حضرت علیؑ) کی باری آئی تو امت کو سمجھنے میں مشکل پیش آئی یعنی امت کا شعور ہی اتنا تھا کہ وہ لوگ سمجھ نہ سکے اور اس نظام کا ایک حصہ کٹ گیا۔امام تو موجود تھے مگر امت، امامت سے دور ہوتی چلی گئی۔جن اقوام کو نبی کریمؐ نے اپنی 23 سالہ تبلیغ کے بعد امت بنایا تھا وہ آپؐ کی رحلت کے بعد امامت کا دامن چھوڑ کر ایک بار پھر زمانہ جاہلیت کی طرف واپس پلٹ گئے۔ایک بار پھر وہ لوگ مکی، مدنی، عربی، عجمی، قریشی، ہاشمی، بنو قریظہ، بنوامیہ اور بہت ساری اقوام میں تقسیم ہو گئے اور ان لوگوں میں وہی عصبیتیں، وہی قومیتیں واپس پلٹ آئیں۔یہی وہ پہلا بحران تھا جو نظامِ امامت و امت کے درمیان رخنہ بن کر وارد ہوا۔ رسولؐ اللہ کی رحلت کے بعد امت اپنے امام سے 25 سال تک دور رہی اور اس 25 سال کی دوری نے امت کو اپنے امام سے اس قدر دور کر دیا کہ آج تک امام تو موجود ہیں مگر امت اپنے پلیٹ فارم پر واپس نہیں آسکی۔نظامِ امامت و امت ہر فرد کی ضرورت ہے۔دنیا کی تمام چیزوں سے یہ نظام زیادہ ضروری ہے کیونکہ اگر انسان کو ہوا، کھانا، پانی دیگر ضروریاتِ زندگی نہ ملیں تو انسان زیادہ سے زیادہ تزکیہ نفس میں مبتلا ہو جاتا ہے مگر آخرت تباہ نہیں ہوتی جبکہ نظامِ امامتِ و امت نہ ہو تو دنیا بھی تباہ اور آخرت بھی تباہ ہو جاتی ہے۔

اب اس تناظر میں دیکھیں کہ بعد وفاتِ پیغمبر اکرمؐ امت اپنے امام سے دوری اختیار کرتے ہوئے اتنی دوری پر چلی گئی کہ جب امام علیؑ دوبارہ اس نظام کو رائج کرنے کے قابل ہوئے (یعنی اقتدار ملنے کے بعد) تو اس وقت امت پشیمان ہوئی اور اُسے احساس ہوا کہ ہم غلط ڈگر پر چل رہے تھے لیکن اُس وقت وہ امت وہ نہیں رہی تھی جس کو نبی کریمؐ رحلت کے وقت چھوڑ کر گئے تھے بلکہ وہ قوم قبیلوں میں بٹ چکی تھی جیسا کہ خود حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

''آج جو تم لوگ آئے ہو میرے پیچھے (مقتدی بن کر) تو تمہاری حالت وہ نہیں جس پر رسول اللہؐ رحلت کے وقت تمہیں چھوڑ گئے تھے بلکہ آج تمہاری حالت وہ ہے جب نبی کریمؐ کی بعثت ہوئی تھی۔ تم اتنا پیچھے چلے گئے ہو کہ رسول اللہؐ کی بعثت اور رحلت میں 23 سال کا عرصہ گزرا اس 23 سال کے عرصہ میں نبی کریمؐ نے تمہیں جس مقام تک پہنچایا آج تم وہاں نہیں ہو بلکہ تم آج اُس مقام پر ہو جب نبی کریمؐ کو مبعوث کیا گیا تھا یعنی وہی زمانہ جاہلیت میں تم موجود ہو، تم ایک بار پھر سے قوم بن گئے ہو تم حزب، جماعت، پارٹی اور قبیلہ بن گئے ہو، تمہارے اندر سے امت کی روح نکل گئی ہے۔ لہٰذا اب ضرورت اس امر کی ہے کہ تم میری امامت میں آؤ اور میں تمہیں امت بناؤں تا کہ پھر سے نظام امامت و امت رائج ہو سکے''۔

اسلام کے اوائل میں یہ ایک بہت بڑا المیہ تھا اور اسی المیہ کے ثمرات آج بھی امام کے ماننے والوں اور منکرین امام دونوں میں موجود ہیں۔ اسی المیہ کا نتیجہ ہے کہ ہم روحِ نظام سے دور ہیں، روحِ امامت کو چھوڑ دیا ہے اور ہم سمجھ نہیں سکے کہ حقیقت کیا ہے لہٰذا جب ہم دوسروں کے سامنے اس نظام کو پیش کرتے ہیں تو وہ بھی اس کو قبول نہیں کرتے۔ حضرت علیؑ نے اپنے چند سالہ دورِ حکومت میں جب اس نظام کو رائج کرنے کی کوشش کی تو امت اپنے امام سے اس قدر دور ہو چکی تھی کہ علیؑ جو رسول کریمؐ کی معیت (ساتھ) میں تھے تو تمام جنگیں کفار و مشرکین کے خلاف لڑیں اور جب اپنا عہد حکومت آیا تو علیؑ نے تمام جنگیں اپنی امت کے خلاف لڑیں ایک موقع بھی ایسا نہیں آیا کہ جس میں امام بیرونی محاذ پر جنگ کرتے کفار و مشرکین کے خلاف لڑتے۔ کفار کو مسلمان کرتے۔ بلکہ کبھی قاسطین، کبھی ناکثین، کبھی مارکین، کبھی جمل، کبھی نہروان اور کبھی صفین جیسے معرکے سر انجام دینا پڑے آخر ایسا کیوں ہوا؟ اس لیے کہ امت اور امامت کی دوری کو ختم کیا جائے اور امت کے ٹوٹے

ہوئے حصوں کو دوبارہ جوڑ کر نظام امامت وامت رائج کیا جائے وہ دین، وہ نظام جو مورد رضائے خدا ہے۔ وہ دین جو خدا کا پسندیدہ ترین دین ہے وہ نظام جو خدا کا قائم کردہ ہے نافذ کیا جا سکے مگر امت اب اتنے فاصلے پر جا چکی تھی کہ اب علیؑ نے جتنی کوشش کی امت کو جمع کرنے کی وہ اور زیادہ دور ہوتی گئی۔ امیر المومنین علیؑ نے حضرت نوحؑ کے سارے الفاظ دہرائے حضرت نوحؑ نے فرمایا کہ

ربِ انی دعوتُ قومی لیلاً و نھاراً O فلم یزِدھم دُعائی الّا فراراً (نوح۔5 تا 6)

''میں نے ان کو دن میں پکارا، رات میں پکارا، صبح میں، شام میں، بحر میں، بر میں ہر طرح سے بلایا محبت سے، پیار سے، ڈانٹ کر ڈپٹ کر مگر جتنا ان کو بلایا یہ اتنا ہی مجھ سے دور ہوتے چلے گئے''۔

اور یہی حالت حضرت علیؑ کی بھی ہوگئی جو حضرت نوحؑ کی تھی۔ نظام امامت وامت میں سے دوسرا رکن (امت) سست ہوگیا اور اس قدر متزلزل ہوا کہ اپنے مقام پر دوبارہ واپس نہیں آسکا اور باوجود کوشش کے نظام امامت وامت نافذ نہ ہو سکا حتیٰ کہ حضرت علیؑ کی شہادت ہوئی امامت کے عہدہ پر امام حسنؑ فائز ہوئے اب منصب دار امامت ہونے کے ناطے اس نظام کو امام حسنؑ نے رائج کرنا ہے۔ امام حسنؑ نے اس نظام کو نافذ کرنے کا اہتمام کیا لیکن امت ذہنی، عملی اور فکری طور پر اس قدر دور جا چکی تھی کہ اب اس امت کے ذریعے اس نظام کا رائج کرنا ممکن نہ رہا۔ لہٰذا حضرت امام حسنؑ نے کتنے جتن کیے اس نظام کے نفاذ کیلئے لشکر کی تشکیل، لوگوں کو جنگ کیلئے آمادہ کرنا مگر امام ان لوگوں سے اتنے مایوس ہوگئے کہ امام کو یقین ہوگیا کہ ان لوگوں کے ذریعے نظام امامت وامت کا نفاذ ناممکن ہوگیا ہے تو امامؑ نے صلح نامے پر دستخط کر دیئے یعنی امام خلافت سے دست بردار ہوگئے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امامؑ دستبردار کیوں ہوئے؟ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ امامؑ طاقت نہیں رکھتے تھے بلکہ یہ تھی کہ نظام کا نفاذ اکیلے رکن کے ذریعے ناممکن تھا نظام کے نفاذ کیلئے اس کے

سارے ارکان کا ہونا لازمی ہے اکیلا امام نظام نافذ نہیں کر سکتا۔ لہٰذا امام حسنؑ کے زمانے میں دوسرا رکن اتنا دور ہوا کہ امام کو دستبردار ہونا پڑا کہ ان لوگوں کے ذریعے اس نظام کا نفاذ ناممکن ہے۔ سب نے دیکھا تاریخ نے گواہی دی کہ نظام نافذ نہیں ہو سکا۔

پھر امام حسینؑ نے دوبارہ اس امتِ فاسد، امت خفتہ، امتِ غافل، امتِ خوابیدہ، امتِ گمراہ اور امتِ فاسق کی اصلاح کی کوشش کی جیسا کہ امام حسینؑ اپنے خطبے میں اظہار فرماتے ہیں کہ:

''میں کوئی ظالم اور مفسد نہیں بلکہ میں تو اپنی جدّ کی امت کی اصلاح کیلئے نکلا ہوں''۔

یعنی امت فاسد ہو چکی ہے۔ امت میں فساد کیا تھا؟ شرابی تھی، کبابی تھی معاذ اللہ؟ پوری امت شراب و کباب میں مشغول نہیں تھی سوائے یزید لعین اور چند حکمرانوں کے۔ لیکن امامؑ نے فرمایا کہ ساری امت تباہ ہے۔ ساری امت فاسد ہے اصلاح صرف یزید کو نہیں بلکہ پوری امت کو اصلاح کی ضرورت ہے۔ امت میں وہی فساد تھا جو رسول اللہؐ کی رحلت کے بعد شروع ہوا اور بتدریج بڑھتا گیا۔ امام حسنؑ کے زمانے میں یہ فساد اپنے عروج کو پہنچا حتّٰی کہ امامؑ دستبردار ہو گئے۔ یہ امت اس قدر دین سے لاتعلق ہو چکی تھی، اس قدر غرق تھے یہ لوگ اپنی خاندانی، سماجی، معاشرتی اور تجارتی زندگیوں میں کہ یزید جیسا حکمران برسر اقتدار آیا تو ان کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔

افراد کا فساد اور چیز ہوتی ہے اور امتوں کا فاسد ہونا اور بات ہے جب امتیں فاسد ہو جائیں تو سب سے پہلی علامت اس امت پر یہ ظاہر ہوتی ہے کہ ان پر فاسد حکمران مسلط کر دیئے جاتے ہیں۔ اور یہ فساد امام حسینؑ برداشت نہیں کر سکے اور اس امت خفتہ کو دوبارہ امت بنانے کی کوشش کی۔ قبیلوں کو پھر امت کے زیرِ پرچم لانے کی کوشش کی۔ امتیں تحریروں، تقریروں، لیکچروں، پمفلٹوں، کتابوں سے بیدار نہیں ہوتیں۔ ان چیزوں سے اور زیادہ سو جاتی ہیں۔ کسی امت کو سلانا ہو تو باتیں شروع کر دیں قصے، کہانیاں سنانا شروع کر دیں تاکہ امت غافل سے غافل تر ہو جائے۔ امتیں ان

چیزوں سے بیدار نہیں ہوتی ہیں امتیں جب بے شعور، غافل اور مدہوش ہو جائیں تو وہ اپنے امام کا ساتھ چھوڑ دیتی ہیں اور اپنے امام کو تنہا کر دیتی ہیں اس بے شعور، غافل اور مدہوش امت کو کون جگائے؟ کیسے بیدار ہوگی؟

عصر حاضر کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ امام خمینیؒ نے امت کو بیدار کیا۔ کیسے بیدار کیا؟ امتیں کیسے بیدار ہوتی ہیں؟ امتیں جہاد سے بیدار ہوتی ہیں، امتیں خون سے بیدار ہوتی ہیں، خوابیدہ اور غافل امتوں کو جو چیز جھنجھوڑتی ہے وہ ہے لہو۔

اسی لیے امام حسینؑ نے اس امت کو جھنجھوڑنے کیلئے بیدار کرنے کیلئے جہاد کا راستہ اپنایا۔ اس کے بعد دیکھیں امام زین العابدینؑ تنہا امام، امت نے ساتھ نہیں دیا۔ امام باقرؑ امام ہیں مگر امت نے ساتھ نہیں دیا۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ امام ہوں۔ نظام ہو، امت بھی ہو اور امام چودہ سال تک جیل میں گزار دیں امام موسیٰ کاظمؑ اپنی زندگی کے چودہ سال قید و بند کی صعوبتیں برداشت کریں اور امت کے کانوں پر جوں تک نہ رینگے اور وہ آئمہ جو جیل میں نہیں تھے ان کی زندگی بھی جیل سے کم تر نہیں تھی۔ یہ بیڑیاں جو امام موسیٰ کاظمؑ کے بدن مبارک پر لگائی گئیں تھیں یہ سارے آئمہ کو برداشت کرنا پڑیں۔ امام رضاؑ کو خلافت کی جانشینی کا منصب سونپا گیا مگر اس کے باوجود امام پر ہونے والے مظالم اپنے والدین بزرگوار سے کسی طرح بھی کم نہ تھے۔ امام رضاؑ بھی امام بلا امت تھے اگر ایسا نہ ہوتا تو امام مدینہ سے روانگی کے وقت گریہ نہ کرتے اپنے اہل خانہ کو یہ نہ کہتے کہ

> ''میں خلیفہ بننے نہیں جا رہا در حقیقت مجھے اپنی امت کے سامنے تماشہ بنایا جا رہا ہے یہ مجھے بلا کر امت لاتعلق، امت بے تفاوت، امت خاموش کے سامنے رسوا کریں گے۔ یہ میری تنہائی اور مظلومیت سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اگر امت میرا فرمان مانتی تو ان لوگوں کی کیا جرأت تھی کہ یہ مجھے اس طرح بلاتے؟''

یہ امتیں ہی ہیں جو اپنے آئمہ کو اکیلا چھوڑ کر انہیں مظلوم بنا دیتی ہیں۔ کیوں اسیرانِ کربلا اس طرح گلی و کوچہ و بازار میں پھرائے گئے۔ ان کے ذمہ دار وہ لوگ ہیں جن لوگوں نے یہ سب کیا مگر اصلی ذمہ داری ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے جنہوں نے ان ظالموں کو موقع دیا۔

اپنے پیغمبرؐ کو یہ امت کیا منہ دکھائے گی؟ کہ جس کے ہوتے ہوئے علیؑ و نبیؐ کی بیٹیاں اسیر ہو کر بازاروں میں پھرائی گئیں۔

امام ہو اور امت ساتھ نہ دے تو یہ نظام رائج نہیں ہو سکتا اور نہ ہی امام کی عدم موجودگی میں نظام امامت دامت برپا ہو سکتا ہے۔

امام علیؑ، امام حسنؑ، امام حسینؑ موجود تھے مگر امت نہیں تھی اور نظام امامت دامت برپا نہیں ہو سکا۔ جس مختصر سے زمانے میں امام علیؑ نے کوشش کی تھی اس نظام کو نافذ کرنے کی تو حضرتؑ اس امت سے بہت نالاں ہوئے۔ نہج البلاغہ میں امام کے خطبے ملاحظہ فرمائیں تو امام نے جتنی سرزنش و ملامت اس امت کی کی اتنی دشمنوں کی نہیں کی۔ پھر آخر تک تمام آئمہ کے حالات ہمارے سامنے ہیں۔ آئمہ موجود رہے انہوں نے اپنی ذمہ داریوں کو نبھایا مگر امت نے اپنی ذمہ داری قبول نہیں کی لہٰذا نظام نافذ نہیں ہوا۔

ہم جو یہ کہتے ہیں کہ العجل یا امامؑ اور اگر امامؑ آجاتے ہیں تو پھر یہ ہماری ذمہ داری بن جائیگی کہ بڑھ کر اس نظام کو قبول کریں۔ اس کے زیرِ سایہ جانا پڑے گا۔ نظام امامت ایسے برپا نہیں ہوتا جب تک امت اس میں شامل نہ ہو جائے، اپنی ذمہ داریوں کو پورا نہ کرے، یعنی خدائے بزرگ نے اس نظام کے دو حصے بنا کر ایک کی ذمہ داری امامؑ کے کاندھوں پر ڈال دی اور دوسرے آدھے حصے کی ذمہ داری امت کی گردن میں ڈال دی وہ ہے اطاعت۔ پس ہر زمانے کے امام نے اپنی ذمہ داری (ہدایت) کو بطریق احسن سرانجام دیا مگر امت نے اطاعت نہیں کی۔ امت نے اپنی ذمہ داری کو بڑھ کر قبول نہیں کیا۔ لمحہ فکریہ ہے کہ خدا نے آئمہ بھیجے ہم نے انہیں تنہا چھوڑا اور امت نہیں

بن سکے تو خدا نے یہ شرط عائد کردی کہ اب جب تک تم امت نہیں بن جاتے، اپنے آپ کو اس قابل نہیں بنا لیتے کہ اپنی اطاعت کی ذمہ داری کو پورا کر سکو تب تک ہم امام کو ظاہر نہیں کریں گے۔

جبکہ امام موجود ہیں۔ اور اگر امام آپ کی دسترس میں بھی ہوں تو آپ زیادہ سے زیادہ یہی کریں گے کہ اپنا مریض بچہ لے آئیں گے کہ اُس پر ہاتھ رکھ دیں تا کہ اُس کو شفا ہو جائے۔ یعنی آپ اپنے امام سے طبیب، معالج والا کام لیں گے۔ لیکن ہرگز بڑھ کر یہ نہیں کہیں گے کہ یا امامؑ ہمیں حکم دیں ہم جہاد کیلئے تیار ہیں۔ حضرت علیؑ نے اپنی امت کو صبح میں بلایا، شام میں بلایا، دن میں بلایا، رات میں بلایا مگر امت ٹس سے مس نہ ہوئی۔ جب گیارہ آئمہ کا امت نے ساتھ نہیں دیا تو کیا ضمانت ہے کہ بارہویں کا ساتھ دیگی۔ کیا یہ تجربہ کافی نہیں نظام امامت وامت برپا کرنے کیلئے کہ امام تو کامل ہے مگر دوسرا رکن کامل نہیں ہے۔ لہٰذا انتظار کیا جائے۔ کس بات کا انتظار؟ اس بات کا انتظار کہ ہم امت بن جائیں۔ نہ کہ اس بات کا انتظار کہ امام بن جائیں وہ تو امام کامل ہیں۔ وہ تو آمادہ ہیں۔ وہ تو منتظر ہیں ہمارے امت بن جانے کے۔ ظہور امام زمانہؑ کی روایات کے مطالعہ سے بہت سارے مطالب بالکل واضح ہو جاتے ہیں کہ امام کب ظہور فرمائیں گے؟ اور ظہور کے بعد کیا کریں گے؟ تو جواب بہت واضح ہو جاتا ہے کہ ظہور کے بعد امام نظامِ امامت وامت کا نفاذ کریں گے۔ کس طرح کریں گے؟ معجزہ کے ذریعے سے؟ نہیں اپنی جدؑ کی طرح ہم لوگوں کے ذریعے جہاد کریں گے۔ جنگ کریں گے لیکن اگر ہم ان کو بھی تنہا چھوڑ دیں گے امام علیؑ اور امام حسنؑ کی طرح، وہ بھی اگر اس زمانے میں ظہور فرمائیں تو وہ بھی تنہا ہو کر امام حسنؑ کی طرح مجبور ہو جائیں گے آج کے معاویہ (امریکا) کے ساتھ صلح کرنے پر۔ جس طرح کہ امام خمینیؒ نے کیا کہ دشمنوں کے ساتھ جہاد کیا ایک طویل عرصے تک جنگ کی مگر امام خمینیؒ کو بھی عالم اسلام نے اس طرح تنہا چھوڑا کہ آخر کار دشمنانِ اسلام سے صلح کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اقوامِ متحدہ کی قراردادیں منظور کرنا پڑیں۔ کیا یہ ثابت کرنے کیلئے یہ مثال کافی نہیں ہے کہ ہم ابھی ظہورِ امامؑ کے قابل نہیں ہوئے۔ ورنہ اگر عالم اسلام امام خمینیؒ کا ساتھ دیتا تو انہیں کیوں مجبوراً صلح کرنی پڑتی؟ کیوں مجبوراً قراردادیں تسلیم کرتے؟

کیوں زہر کا جام نوش فرماتے؟ فقط یہ کہہ دینا کافی نہیں ہے کہ امامؑ کا ہونا ضروری ہے۔ بلکہ خود کو امامؑ کی اطاعت کیلئے تیار کرنا پڑے گا۔ اس نظام کے زیرِ سایہ آنا پڑے گا۔ پس یہاں سے فلسفہ غیبت امام واضح ہو گیا کہ امام کیوں غائب ہوئے؟ بس خدا کی مصلحت یہی تھی کہ غیر آمادہ امت کا امام بہتر ہے کہ منظرِ عام پر نہ ہو۔

ہمارے استادِ محترم آغا جوادی آملی ؒ فرماتے تھے کہ

''ہمیں بہت محبت ہے امام غائب سے مگر ہم امام حاضر سے ڈرتے ہیں! اس لیے کہ جب امام حاضر ہوں گے تو ہماری یہ آسائشیں ختم ہو جائیں گی'' ہم زبان سے تو کہتے ہیں یا امام ''عجل علی ظهورك'' مگر دل میں یہ کہتے ہیں کہ اچھا ہے غائب ہی رہیں آ گئے تو ہمیں مشکل میں ڈال دیں گے۔ جیسے امام علیؑ امام حاضر تھے تو امت کو بھی حاضر کر دیا۔ امام حسینؑ حاضر تھے تو امت کو بھی حاضر رکھا اس لیے ہمیں تو یہی پسند ہے کہ امام نہ آئیں۔ جیسے ہمیں خدائے غائب سے بہت محبت ہے اس خدا سے جو آسمانوں کے بیچ بہت دور کہیں ہے۔ جو ہمارے ہر عمل پر حاضر نہ ہو جب تک ہم گڑگڑائیں نہیں، شور نہ مچائیں تو اس کے کانوں تک معاذ اللہ آواز ہی نہیں جاتی''۔

امام خمینیؒ نے فرمایا کہ:

''این عالم محضرِ خدا است'' یہ دنیا خدا کی بارگاہ ہے۔

جس نے اس دنیا کو خدا کی بارگاہ جان لیا اس کا خدا حاضر ہے۔ لہٰذا منتظرِ حقیقی وہ ہے کہ جو فلسفہ غیبت، فلسفہ نظام امامت و امّت کو سمجھ گیا۔ جس کو غیبت کی وجہ معلوم ہو گئی کہ امام کیوں غیب ہیں؟ چونکہ امام بلا امت ہیں اس لیے۔

انتظار یعنی کہ امت بننا ہے۔ انتظار نام ہے کچھ کرنے کا۔

امت بنو اور حقیقتِ انتظار کو سمجھ جاؤ، حقیقتِ امام کو سمجھ جاؤ، حقیقتِ امام کو سمجھ جاؤ۔

تو ایسا ہی ہے کہ جیسے عصرِ ظہور میں ہو۔ اگر امام حاضر ہوتے تو کیا کرتے؟ اگر امام حسینؑ کے زمانے میں ہوتے تو ہم کیا کرتے؟ یقیناً جہاد کرتے۔ امام کے فرمان پر جنگ کرتے، شہید ہو جاتے اگر آج بھی یہی کام کر رہے ہو تو سمجھ لو کہ عصرِ ظہور میں ہو۔ امام کے ہونے نہ ہونے سے تمہیں کوئی فرق نہیں پڑتا فرق ہمارے ہونے نہ ہونے سے پڑتا ہے۔ مثلاً امام علیؑ موجود تھے، ہم موجود نہیں تھے امام حسنؑ موجود تھے اور ہم نہیں تھے۔ تو کیا ہوا کچھ بھی نہیں ہو سکا امام حسینؑ موجود تھے امت نہیں تھی تو کیا ہوا سب نے دیکھ لیا۔ یہ گیارہ آئمہ پے در پے موجود تھے اور امت نہیں تھی اس لیے نظام نافذ نہیں ہو سکا۔ اگر یہ بارہویں امام بھی امت کے بغیر ظاہر ہو جائیں تو کچھ بھی نہیں ہوگا پس انتظار درحقیقت امت کی آمادگی کا نام ہے۔ جیسا کہ امام صادقؑ نے فرمایا کہ اگر تم نے اپنے امام کو پہچان لیا تو تم منتظرِ حقیقی ہو۔ ایسا ہی ہے جیسے تم نے اپنے امام کا ساتھ دیا، امام کی اطاعت کی تو گویا تم حضرتِ حجتؑ کی فوج میں ہو، امام زمانہؑ کے مرکزی خیمہ میں ہو۔

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ:

''اگر تم چاہتے ہو کہ ظہور میں تعجیل ہو تو تم آگے بڑھو نہ کہ اپنے امام کو کہو کہ آپ آگے آیئے''

جیسے ہم کہتے ہیں کہ عجل علی ظهورك العجل العجل

یعنی کہ اے امام آیئے، آیئے، آیئے جیسے کوفہ والے امام حسینؑ کو کہتے تھے کہ آپ آگے بڑھیے خود ساتھ نہیں آئے۔ تو بات ذہن نشین رکھیں کہ اپنے امام کو آگے کرنے والی قومیں ہمیشہ اپنے امام کو تنہا چھوڑ دیتی ہیں، لیکن جو اپنے امام کو کہیں کہ ہم پہلے آپ بعد میں۔ جیسے امام علیؑ نے ہمیشہ رسولؐ اللہ کو کہا کہ یا رسولؐ اللہ آپ تشریف رکھیں ہم پہلے جنگ میں جائیں گے۔ ہم نہیں ہونگے تو

پھر آپ جایئے گا۔ جب تک ہم خود کو امام علیؑ کی طرح امام زمانہؑ کے سامنے پیش نہیں کر دیتے کہ اے امام ہم آپ کی اطاعت کیلئے تیار ہیں تو قیامت تک ہم ایک امت نہیں بن سکتے۔

وہ عظیم لوگ جنہیں امام خمینیؒ نے تیار کیا کس طرح انہوں نے جنگ کی، کس طرح قربانیاں پیش کیں، کس طرح آگے بڑھ کر پرچم اسلام کو سربلند کیا۔ پس کچھ فرق ہونا چاہیے ان لوگوں میں جو منکرین امامت ہیں اور ان میں جنہوں نے امامت کو تسلیم کر لیا ہو۔ امام خمینیؒ بارہا کہتے رہے ہیں کہ

" اسلام گمشدہ است" اُٹھو اور آگے بڑھ کر اسلام کو تلاش کرو۔

انہی مدرسہ والوں کو کہتے تھے جہاں دین پڑھا اور پڑھایا جاتا تھا کہ دین گم ہو گیا ہے اسے ڈھونڈو تا کہ کوئی آئے اور ہمیں اصل اسلام سے روشناس کرائے۔ مگر ہماری بدقسمتی کہ ہم حاسد ترین ماحول میں رہتے ہوئے بھی خوش ہیں، گندے ترین ماحول میں تمام تر آلودگیوں کے ساتھ بھی خوش ہیں۔ ہماری مثال سرطان کے اس مریض جیسی ہے جو ہلاکت کے قریب پہنچ گیا ہے مگر پھر بھی خوش ہے۔ آج اگر امامؑ آجائیں تو کیا ہم اس قابل ہیں کہ اس حالت میں ہم امامؑ کے سامنے حاضر ہو سکیں؟ کیا ہم امامؑ کو منہ دکھانے کے قابل ہیں؟ کیا ہمارے اعمال ایسے ہیں کہ امامؑ ہمیں قبول کر لیں؟

اوائل صدر اسلام والے لوگ ہماری نسبت بہت اچھے تھے اُن کو یہ آسائشیں نہ تھیں پھر بھی ان کو امت بننے میں مشکلات درپیش آئیں۔ آج آپ جس سرزمین پر موجود ہیں کیا ایئر کنڈیشنڈ کمروں سے نکل کر ہم امامؑ کا ساتھ دے سکیں گے کیا ہم اپنی موجودہ آسائشوں کو ترک کر کے امامؑ کو اس سرزمین پر خوش آمدید کہہ سکیں گے؟ جب کہ اوائل صدر اسلام کے لوگ اسی گرمی میں رہتے تھے ان کے پاس یہ آسائشیں نہ تھیں۔ یعنی اگر وہ لوگ اُس سرزمین پر امامؑ کا ساتھ دیتے تو ہماری نسبت اُن کیلئے زیادہ آسان تھا۔ چونکہ آج ہم وسائل کا شکار ہو چکے ہیں۔ ابھی ابھی تو گھر بنایا ہے، ابھی تو بچوں کی شادیاں کرنی ہیں، یہ بنگلہ، یہ گاڑی، ابھی تو ہم نے خوشیاں نہیں دیکھی ہیں، یہ سارے

جواب ہم نے امام زمانہؑ کیلئے تیار کر رکھے ہیں۔ اور ہمارے جواب امام نے سن بھی لئے ہیں۔ کہا کہ اچھا تم ابھی شادیوں میں مشغول ہو، تم ابھی فارغ نہیں ہو۔ تم گھر بناتے رہو، نوکریاں کرتے رہو، بزنس کرتے رہو، جس دن احساس ہوا کہ تم امام کے منتظرِ حقیقی ہو تمہیں امام کی ضرورت ہے اس دن میں آجاؤں گا۔

فقط ہم امامؑ کے منتظر نہیں ہیں بلکہ امامؑ بھی ہمارے امت بننے کے منتظر ہیں۔ واضح ہو گیا کہ غیبت کیوں ہوئی؟ انتظار کیا ہے؟ ساری کڑیاں مل جاتی ہیں بس ہمیں ہٹ دھرمی ترک کر کے حقائق کو سچے دل کے ساتھ قبول کرنا ہوگا اپنے تخیلاتی قصے کہانیوں سے نکلنا ہوگا۔ جیسا کہ روایات میں ہے کہ جب امام ظہور کریں گے تو ہم ان کو بھی کہیں گے کہ یہ جو دین آپ نے پیش کیا ہے یہ تو ہم نے سنا ہی نہیں تھا۔ ہمیں کسی نے بتایا ہی نہیں تھا تو امامؑ پوچھیں گے کہ کن سے نہیں سنا تھا کس نے نہیں بتایا تھا۔ ہم کہہ دیں گے کہ ان ذاکروں اور ان خطیبوں سے نہیں سنا تھا۔ یہ تو بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی فٹ بال کے کھلاڑی سے دین کے بارے میں پوچھے تو وہ کہہ دے کہ مجھے تو اپنے کوچ نے کچھ نہیں بتایا تھا۔ ہم نے ساری زندگی تو آرٹسٹوں، شاعروں، ادیبوں میں گزار دی ہے۔ اور ان لوگوں سے ہمیں دین حقیقی کہاں مل سکتا ہے۔

دین معلوم ہوتا ہے علماء سے، دین مل سکتا ہے۔ فقہاء سے، امام خمینیؒ، رہبرِ انقلاب اسلامی جیسے لوگوں سے،

جن سے ہم نے کبھی رجوع کرنے کی زحمت ہی نہیں کی۔ ہم اپنے بچوں کیلئے فزکس اور کیمسٹری کے ٹیوٹر مہیا کر سکتے ہیں تو دین کیلئے بھی ہم فقہاء، علماء کے پاس اپنے بچوں کو بھیج سکتے ہیں یا دینی تعلیم کیلئے بھی مدرس مہیا کر سکتے ہیں۔ اگرچہ اس مسئلہ پر ہم کچھ زیادہ بیان نہیں کر سکے مگر بنیاد ضرور فراہم کر دی ہے، یہاں سے انسان اپنی راہیں متعین کر لیتا ہے کہ ہمیں کرنا کیا ہے؟ اگر یہ نکتہ انسان اپنے دل میں بٹھا لے تو پھر آرام سے نہیں بیٹھ سکتا اب اگر یہ بنیادی نکتہ ہماری سمجھ میں آ گیا تو ساری روایتیں ساری چیزیں سمجھ میں آجاتی ہیں۔

انتظار کا مطلب ہے امت کا تیار ہونا۔

تیاری مختلف ہے کچھ لوگ یہ کہیں گے کہ ہمارے پاس تو کچھ ہے ہی نہیں ہم کیا تیاری کریں؟ تیاری کیلئے کئی ملین ہونا ضروری نہیں بلکہ تیاری سے مراد کم از کم تیاری ہے یعنی اپنی حیثیت کے مطابق جس کی جتنی زیادہ استطاعت ہے وہ اس کے مطابق تیاری کرے اور جب خود تیار ہو جائے اور اس کے پاس گنجائش ہو تو دوسروں کو بھی تیار کرے۔ بہر حال یہ کم از کم تیاری ہے جیسے روزے کے بارے میں ہے کہ افطار کرواؤ، کم از کم ایک کھجور کے ذریعے؟ یعنی اگر کوئی فقیر ہے تو وہ بھی کرا سکتا ہے۔ اور جس کی جتنی استطاعت ہو وہ اتنا ہی زیادہ سے زیادہ اہتمام کرے۔ جبکہ ہماری حالت یہ ہے کہ جہاں ہمارا مفاد ہو وہاں ہم کم سے کم کو زیادہ سے زیادہ سمجھ لیتے ہیں اور جہاں ہمارا نفع نہ ہو وہاں ہم زیادہ سے زیادہ کو بھی کم از کم ہی سمجھتے ہیں یہ المیہ ہے ہمارا۔

پس اگر امام عالی مقامؑ کے ظہور میں تاخیر ہے تو وہ ہماری تیاری نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ اس لیے نہیں کہ امامؑ کی طرف سے تاخیر ہے۔

جس دن ہم حقیقی امت بن جائیں گے امامؑ ظہور میں ایک لحظہ بھی تاخیر نہیں کرینگے۔

(بشکریہ ماہنامہ "سحر" کراچی مئی ۲۰۰۴ء)